مولانا سراج احمد فاروقی
جامعہ کراچی

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا نظامِ قانون

اور

اسلام

(پہلی قسط)

انسان مدنی الطبع ہے یعنی اپنے ابناء جنس کے ساتھ اجتماع اور زندگی گذارنے پر مجبور ہے[۱] اور اجتماع کے بغیر انسان کا تصور ایک وہمی اور خیالی چیز ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے[۲]

اس اجتماع زندگی میں افراد کے درمیان نزاع پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے لیکن کسی فرد کو بھی آزادی مطلق حاصل نہیں ہے۔ ورنہ افراد کے درمیان نزاع و فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس سے معاشرہ بالکل تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا ایسے قواعد کی ضرورت ہے جو فرد کی بے لگام آزادی پر قدغن لگائیں تاکہ ہر شخص امن وسکون سے زندگی گذار سکے۔ انہی قواعد کا نام قانون ہے۔ اور قانون معاشرہ کے لئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح انسان کے لئے معاشرہ ضروری ہے۔ اِسی لئے نہ تو ماضی میں کوئی ایسا معاشرہ گذرا ہے نہ حال میں موجود ہے جو قانون سے آزاد ہو۔

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۱

[۲] ڈاکٹر السنہوری اصول القانون ص ۱۵

قانون کبھی تو عادات درسم و رواج اور عرف پر مبنی ہوتا ہے جس کی لوگ پابندی کرتے ہیں اور کبھی کسی قبیلہ کے سردار یا بادشاہ یا انسانوں کی ہیئت اجتماعی کی طرف سے جاری کردہ اوامر دنواحی پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن بعض قوانین انسانوں کے بجائے اس کے خالق کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں شریعت الٰہی یا شریعت سماوی کہتے ہیں۔ ان ہی آسمانی شریعتیں میں سے اسلامی شریعت بھی ہے۔

اسلام بلاد عرب میں نازل ہوا اور وہاں سے دنیا کے دوسرے اطراف میں پھیلا۔ عربوں کی چند عادات و رسومات تھیں جن میں انہوں نے اپنے معاشرہ کی بنیاد رکھی اور جن کے ذریعے اپنے قانونی تعلقات استوار کئے۔ اسلام نے ان میں سے بعض عادات کو برقرار رکھا اور بعض کو ختم کر دیا۔

عربوں کا اصلی وطن اس اقلیم میں واقع ہے جو ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اور جس کے شمال میں شام اور مشرق میں خلیج عرب اور بحر عمان اور جنوب میں بحر ہند اور مغرب میں بحر احمر واقع ہے۔ اس اقلیم کو جزیرہ العرب یا شبہ جزیرہ العرب کہتے ہیں ان میں سے بعض لوگوں نے نئے جزیرۃ العرب سے باہر سکونت اختیار کی خصوصاً بادیہ الشام میں لے

بعض حضرات کا خیال ہے کہ عرب اور ان کے گرد و نواح کے باشندوں کی اصل ہی ہے۔ لیکن عربوں میں بدویت (دیہاتیت) غالب ہے جبکہ اس کے گرد و نواح کے لوگوں مثلاً وادفرات و نیل کے باشندوں پر حضارت (شہریت) غالب ہے ۲ے۔

عرب دو بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں ایک قحطانی اور دوسرے عدنانی۔ قحطانی قحطان کی نسل سے ہیں اور یہ جنوب کے عرب ہیں جن میں یمنی شامل ہیں اور عدنانی اسمٰعیل بن ابراہیم کی نسل سے ہیں اور یہ شمال کے عرب ہیں اور ان میں اہل حجاز بھی شامل ہیں اور ان ہی دو بڑے قبیلوں سے عربوں کی شاخیں نکلی ہیں۔

لے استاد احمد امین۔ فجر الاسلام جلد ا ص ا ڈاکٹر صبحی محمصانی الاوضاع التشریعیۃ فی الدول العربیۃ ص ۱۴۳۔

۲ے استاد احمد امین۔ فجر الاسلام جلد ا ص ۵

جنوبی عرب میں حضارت غالب تھی اور یہاں کے لوگ ایک جگہ جم کر رہنے کے عادی تھے جیساکہ ارشاد ہے :-

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ [1]

یعنی سبا کے لوگوں کے لئے ان کے وطن میں نشانیاں موجود تھیں۔ باغ کی دو قطاریں تھیں دائیں اور بائیں اپنے رب کا رزق کھاؤ - اور اس کا شکر کرو- عمدہ شہر ہے اور بخشنے والا پروردگار ہے۔

اور شمال عرب پر بدویت وخانہ بدوشی کا غلبہ تھا۔ اور یہ لوگ ایک جگہ جم کر رہنے کے عادی نہیں تھے۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل زمانہ فترت کو جاہلیت کہتے ہیں اور اس زمانہ کے عربوں کو عرب الجاہلیت کہتے ہیں [2]

زمانہ جاہلیت کے عربوں کا اجتماعی نظام

اسلام سے قبل عرب زیادہ تر بدوی زندگی بسر کرتے تھے سوائے ان لوگوں کے جو دیہاتوں اور شہروں میں سکونت پذیر تھے جیسے یمن، یثرب (مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور مکہ کے باشندے جو شہری زندگی بسر کرتے تھے اور بدوی لوگ خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور چارہ اور پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے اور خیموں میں زندگی گذارتے تھے اور ان کی زندگی کا دارومدار مویشی اور لوٹ مار پر تھا۔ [3]

بدویت ہی کی وجہ سے یہ لوگ تجارت، زراعت اور صنعت سے پرہیز کرتے تھے اس لئے کہ وہ ان چیزوں کو حقیر جانتے تھے اور اپنے شایان شان نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اہل حضر کی طرح شعر، خطابت، امثال، عربی لغت کے تمام فنون اور روایت تاریخ میں مشہور تھے۔

---

[1] سورۃ سبا۔ آیت ۱۴۔

[2] استاد احمد امین۔ فجر الاسلام جلد ۱ ص ۸۶، ۸۷۔

[3] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۵۔

ان کو قدرے ستاروں کا علم بھی تھا اور ہوائیں چلنے اور بارش برسنے سے بھی کسی قدر ان کو واقفیت تھی جو ان کو مسلسل سفر اور فانہ بدوشی کی بدولت تجربہ کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی۔

اہل حضر شہروں میں رہتے تھے اور تجارت وزراعت وغیرہ کرتے تھے اور اہل بداوت کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ چنانچہ قریش شام ویمن کا سفر بغرض تجارت کرتے تھے جیساکہ ارشاد خداوندی ہے:۔

لایلف قریش ○ الفھم رحلة الشتآء والصیف ○ فلیعبدوا رب ھذا البیت ○ الذی اطعمھم من جوع ہ وامنھم من خوف○[1]

یعنی چونکہ قریش خوگر ہو گئے یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے تو ان کو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔

عربوں کے اجتماعی نظام کی بنیاد اور اس کے اوصاف

عرب مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے

اور قبائلی عصبیت پر ان کا نظام قائم تھا۔ اور قبیلہ نہ تو حکومت ہے اور نہ کوئی سیاسی ادارہ بلکہ وہ تو ایک اجتماعی وحدت ہے جو کہ رشتہ داری اور خون کے تعلق پر قائم ہے۔ اور قبیلہ کے افراد اپنی مرضی اور اختیار سے سردار کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ قبائلی عصبیت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے نسب پر فخر کرتے تھے اور حق و باطل دونوں میں اپنے قبیلہ کی حتی الامکان مدد کرتے تھے[2] اور جب کسی قبیلہ کا ایک فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد پر ظلم کرتا تو مظلوم کا قبیلہ اس کی مدد اور بدلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا۔ اسی طرح ظالم کا قبیلہ بھی کرتا تھا اس کی مدافعت کرتا اور اس کی طرف سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ اور قبائلی اماد نسب اور خونی رشتوں میں مشترک افراد ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ متبنی، حلیف، موالات اور پڑوسی بھی اس میں شامل تھے۔

---

[1] سورۃ قریش آیت ۱،۴۔

[2] رشید رضا۔ تفسیر المنار جلد ۵ صفحہ ۵۵۴

عربوں میں متبنیٰ بنانے کی رسم عام تھی اور متبنیٰ بنانے والے یا اس کے نائب کے درمیان معاہدہ سے یہ رسم پوری ہو جاتی تھی اور اس کے لئے عمر وغیرہ کی کوئی قید نہیں تھی لے۔

حلف اور موالات کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ کہتا تھا کہ میرا خون تیرا خون ہے میری بے عزتی تیری بے عزتی ہے۔ میں تیرا وارث ہوں گا اور تو میرا وارث ہوگا۔ اس طرح دونوں فریق یہ معاہدہ کرتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس کی مدافعت کریں گے۔ اور حق و باطل دونوں میں ایک دوسرے کی حمایت کریں گے۔ ٢ے

جوار کا طریقہ یہ تھا کہ قبیلے کا سردار کسی پناہ مانگنے والے کو پناہ دیتا تھا۔ ٣ے

قبائل کے درمیان جنگیں کثرت سے ہوا کرتی تھیں۔ قبیلے کا ایک فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد پر کوئی ظلم کرتا تو دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی۔

قبائل کے درمیان کثرت جنگ کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ جنگ اور لوٹ مار کو طبعی امور اور از قسم شجاعت تصور کرتے تھے اور اسی وجہ سے ایک قبیلے کے افراد دوسرے قبیلے سے قصاص لیتے تھے۔ اور اسی وجہ سے قبائل ایک دوسرے کو حلیف بنانے پر مجبور تھے۔ لیکن اشہر حرم یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں جنگ موقوف کر دیتے تھے۔ ٤ے

قبائل کے درمیان کثرت جنگ کی وجہ سے اہل عرب مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو حقیر سمجھتے تھے اس لئے کہ عورتوں کے مقابلے میں مرد جنگ میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور جنگی قیدی بننے کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:-

واذا الموءدة سئلت ○ بای ذنب قتلت ○ ٥ے

لے الجصاص احکام القرآن جلد ٢ ص ٤ ڈاکٹر صبحی محمصانی الاوضاع التشریعیہ فی الدول العربیۃ۔ ص ٢٤

٢ے الجصاص احکام القرآن جلد ٢ ص ٢٩٢۔

٣ے ڈاکٹر صبحی محمصانی الاوضاع التشریعۃ الدول العربیۃ ص ٢٥

٤ے ڈاکٹر جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ٥ ص ٢٥۔

٥ے سورۃ التکویر آیت ٨-٩۔

یعنی اور جب زندہ گاڑی ہوئی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی۔

نیز ارشاد ہوتا ہے :۔

وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم ○ يتوارى من القوم من سوء ما بشر به ط أيمسكه على هون أم يدسه في التراب ط ألا ساء ما يحكمون ○ [1]

یعنی جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے۔ آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے۔ شرم کے علاوہ غربت بھی قتل اولاد کا موجب بنتی تھی۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم إن قتلهم كان خطأ كبيرا [2]

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

صفات ذمیمہ کے برخلاف عربوں میں چند صفات حمیدہ بھی تھے مثلاً کرم، شجاعت صدق پڑوسی کی حمایت اور قدرت انتقام کے باوجود عفو و درگزر وغیرہ۔ [3]

عربوں کی اجتماعی حالت پر اسلام کا اثر

اسلام جب آیا تو اس نے ان کی خرابیوں کو دور کیا ان کی خوبیوں کو

---

[1] سورہ النحل آیت ۵۸۔

[2] سورہ الاسرا۔ آیت۔ ۳۱۔

[3] ڈاکٹر محمد حسین ہیکل حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص۔

بحال رکھا۔ پوری قوت سے قبائلی عصبیت کو ختم کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

دعوھا فانھا متنتہ [1] یعنی قبائلی عصبیت کو چھوڑو اس لئے کہ وہ بدبودار چیز ہے۔

اور قرآن مجید نے ان کو بتایا کہ:۔

یٰآیھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ [2]

یعنی اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

لیس منا من دعا الی عصبیۃ، ولیس منا من قاتل علی عصبیۃ، ولیس منا من مات علی عصبیۃ [3]

یعنی جو شخص عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو شخص عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو شخص عصبیت پر مرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نیز حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یا ایھا الناس ان اللہ تعالیٰ اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء، کلکم لآدم وآدم من تراب، لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ۔ [4]

---

[1] تفسیر طبری جلد ۲۸ ص ۷۵ (حدیث

[2] سورۃ الحجرات۔ آیت ۱۳

[3] السیوطی الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۴۰۔

[4] المقریزی امتاع الاسماع ص ۵۲۲۔

یعنی اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کا غرور اور باپ دادا پر فخر کرنا تم سے دور فرمایا ہے۔ تم میں سے ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے۔

اسلام چونکہ ایک عالم گیر دعوت ہے اس لئے اس نے معاشرہ کی بنیاد نسل و نسب کے بجائے اسلامی عقیدہ پر رکھی ہے۔ جس میں تمام لوگوں کے شمول کی گنجائش ہے۔ بخلاف قبائلی اور جنسی عصبیت کے اس لئے کہ کسی انسان کے اختیار میں یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی پسند کی جنس یا قبیلے سے متعلق ہو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

انما المومنون اخوۃ۔[1] یعنی مسلمان تو سب بھائی ہیں۔

نیز حدیث میں آیا ہے کہ:۔

ان کل المسلم علی المسلم حرام۔ انما المومنون اخوۃ[2]

یعنی ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی ہر چیز حرام ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

قبائلی عصبیت کے خاتمے سے باطل کی امداد کا خاتمہ ہو گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:۔

تعاونوا علی البر والتقوٰی ص ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[3]

یعنی نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

۱؎ سورہ الحجرات۔ آیت ۱۰۔

۲؎ المقریزی امتاع الاسماع ص ۵۳۲۔

۳؎ سورۃ المائدہ آیت ۲۔

انصر اخاک ظالما او مظلوما۔ قیل النصرہ اذا کان مظلوما فکیف انصرہ اذا کان ظالما؟ قال تحجزہ عن الظلم فان ذلک نصرہ[۱]

یعنی تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا کہ جب وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر وہ ظالم ہو تو میں اس کی مدد کس طرح کروں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے ظلم سے روکو۔ یہی اس کی مدد ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بھی انصر اخاک ظالما او مظلوما پر عمل تھا (یعنی تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) لیکن وہ لوگ حق اور باطل دونوں میں اپنے قبیلے کے افراد کی حمایت کرتے تھے۔

نیز اسلام نے نسبی تفاخر کی جگہ پر عمل خیر میں تنافس کی بنیاد رکھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون[۲]

یعنی حرص کرنے والوں کو ایسی چیز (علیین) کی حرص کرنی چاہیئے۔

نیکی اور بھلائی کے معاملات میں تعاون و تناصر کی دعوت دی مثلاً قتل خطا میں مجرم کے عصبہ پر دیت واجب کی۔[۳]

اور مظلوم کی مدد کے لئے باہمی حلیف ہونے کے قبائل نظام کو باقی رکھا لیکن ظالم کی مدد کے لئے باہمی تحالیف کو ختم کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف فضول کی تعریف کی جو زمانہ جاہلیت میں وجود میں آیا تھا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ اس معاہدہ کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

۱؎ تیسیر الوصول جلد ۳۔ ص ۲۸۔

۲؎ سورۃ المطففین آیت ۲۶۔

۳؎ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام ص ۲۷۶۔۲۷۷

ما احب ان لی بحلف حضرته حمر النعم فی دار ابن جدعان تحالفوا ان یکونوا مع المظلوم ما بل بحر صوفة۔ ولو دعیت الی مثله فی الاسلام لاجبت۔ لہ

یعنی میں ابن جدعان کے گھر میں جس معاہدہ میں شریک ہوا تھا مجھے یہ پسند نہیں کہ سرخ رنگ کے اونٹ کے بدلے میں بھی اس معاہدہ کو میں توڑ دوں (ہاشم و زہرا و تیم نے) آپس میں قسمیں کھائی تھیں کہ کوئی دریا جب تک کسی اون کو بھگو سکتا ہے وہ مظلوم کا ساتھ دیں گے۔ اور اگر مجھ کو (اب بھی) اس معاہدے میں بلایا جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔

حلف الفضول یہی ہے۔

اسلام نے لوٹ مار اور دوسروں پر زیادتی کو ختم کر دیا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ ۲ہ

اور کسی پر زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

اسلام نے لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کو بڑا سمجھا اور اسلام میں عورتیں بھی مردوں کی طرح اس بات کی اہل ہیں کہ ان سے خیر اور فعل جمیل صادر ہو اور وہ مردوں کی طرح اسلامی احکام کی مخاطب اور مکلف ہیں اور انھیں بھی مردوں کی طرح ایمان، معرفت، اعمال صالحہ اور عبادات اور معاملات کا حکم دیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی طرح عورتوں سے بھی بیعت لی ہے اور مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ ۳ہ

لہ الجصاص احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۹۴، المقریزی امتاع الاسماع جلد ۱ ص ۱۱، ابن سعد الطبقات الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۲۹۔ ۲ہ سورۃ البقرہ آیت ۱۹۰۔

۳ہ سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸۔

یعنی اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیساکہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے پس عورتوں اور مردوں کے درمیان حقوق برابر ہیں اور عورتوں پر مردوں کا کوئی حق ایسا نہیں ہے جو مردوں پر عورتوں کا حق نہ ہو [۱]

لیکن خاندان کی سربراہی جو مردوں کو دی گئی ہے اور جس کے متعلق قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے :-

وللرجال علیھن درجۃ [۲] یعنی مردوں کا عورتوں کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے نیز ارشاد ہے :-

الرجال قوامون علی النساء [۳] یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد خاندان پر خرچ کرتا ہے اور اس پر توجہ دیتا ہے لہذا اس کی سربراہی ایک فطری اور طبعی امر ہے اس لئے کہ زوجیت ایک اجتماعی زندگی ہے اور انسانی تعلقات میں ایک مخصوص ترین شرکت ہے اور ہر شرکت و اجتماع کے لئے ایک سربراہ ہونا ضروری ہے جو اختلافات کے وقت مرجع بن سکے اور مرد اس سربراہی کا زیادہ حق دار ہے اس لئے کہ اس کی جسمانی طاقت زیادہ ہے اور معاملات و تجربات میں مرد عورت کے مقابلے میں زیادہ باخبر ہے۔ علاوہ ازیں مردوں کو خاندان پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ عورتوں کو نیز اس سربراہی کی بنیاد محبت، رحمت اور حسن معاملہ پر قائم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :-

ومن اٰیتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ [۴]

---

[۱] استاد محمد رشید رضا تفسیر المنار جلد ۲ ص ۳۷۶

[۲] سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸۔

[۳] سورۃ النساء آیت ۳۴۔

[۴] سورۃ روم آیت ۲۱۔

یعنی اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:۔

وعاشروھن بالمعروف ۔ [1] یعنی اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزران کیا کرو۔

پس اسی طرح سرداری کا دارومدار محبت، رحم اور حسن معاشرت پر قائم ہے اور انہی تمام وجوہات کی بناء پر تمام دینی اور علمی شریعتوں میں خاندان میں مردوں کی سرداری زوجیت کے غلبہ کے نام سے موجود ہے [2]

جاہلی عربوں میں جو عمدہ صفات تھے اسلام نے ان کو برقرار رکھا مثلاً وعدہ پورا کرنا، سچائی، پڑوسی کی رعایت، بہادری اور کرم۔ البتہ اسلام نے ان میں کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ مثلاً بہادری اس وقت قابل تعریف ہے جب وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حق کے راستے میں ہو نہ کہ زمین میں غلبہ حاصل کرنے اور فساد پھیلانے یا دوسروں پر زیادتی کرنے کے لئے ہو۔ اسی طرح کرم اس وقت قابل تعریف ہے جب وہ برمحل ہو اور دکھانے یا سنانے کے لئے نہ ہو۔ اور اسلام نے مہمان نوازی کی عادت کو برقرار رکھا اور اسے مہمان کا حق قرار دیا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:۔

لیلۃ الضیف حق علی کل مسلم، فمن اصبح بفنائہ فہو علیہ دین ان شاء اقتضی وان شاء ترک۔ [3]

رات کو مہمان کی مہمانی ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ جس شخص کو کسی کے گھر میں صبح ہو جائے تو مہمانی اس کا قرض ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس قرض کا مطالبہ کرے اور اگر چاہے تو اس قرض کو چھوڑ دے۔

---

[1] سورۃ نساء آیت ۱۹۔

[2] ڈاکٹر صبحی محمصانی مقدمۃ فی احیاء العلوم الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۲۰۸

[3] تیسیر الوصول جلد ۳ ص ۵۲، ابوداؤد جلد ۲، کتاب الاطعمۃ باب من الضیافۃ ص ۱۷۱، ابن ماجہ جلد ۲ کتاب الادب باب حق الضیف ص ۲۹۲، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲

اور دوسری روایت میں عقبہ بن عامر سے روایت ہے:۔

قلت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انک تبعثنا فننزل بقوم لایقروننا فما تری؟ فقال اذا نزلتم بقوم فان امروا لکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا وان لم یفعلوا فخذوا منھم حق الضیف الذی ینبغی لھم۔ ؎

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم لوگوں کو کسی قوم کے پاس روانہ کرتے ہیں لیکن وہ لوگ مہمانداری بالکل نہیں کرتے اس صورت میں ہمارے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ لوگ دستور کے مطابق مہمانی کی چیزیں تم کو دیدیں تو لے لو اور اگر نہ دیں تو قاعدے کے موافق مہمانی کا حق ان سے وصول کرلو۔

خلاصہ یہ کہ شریعت اسلامی نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی ان عادتوں کو باقی رکھا جو خود درست تھیں اور اس کے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ تھیں اور جو عادتیں خراب تھیں ان کو لغو قرار دیا اور ختم کر دیا۔

(مسلسل)

؎ تیسیر الوصول جلد ۴ ص ۵۳، بخاری جلد ۲ کتاب الادب باب اکرام الضیف ص ۹۰۶، مسلم جلد ۲ کتاب اللقطہ، باب الضیافہ ص ۳۲، ابو داود جلد ۲ کتاب الاطعمۃ باب من الضیافہ ص ۱۷، ابن ماجہ جلد ۲ کتاب الادب باب الضیف ص ۳۹۲، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۹۔